© rasailojaraid.com

فضائل اعمال میں

حدیث ضعیف کی مقبولیت اور اس کے حدود و شرائط

از: مولوی محمد عبید اللہ صاحب دہلوی

(رفیق ادارہ)

فن حدیث کے متعلق عوام و خواص سب لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ترغیب و ترہیب اور عذاب و ثواب کے موضوع پر حدیثوں کے معیار میں محدثین کے یہاں نرمی ہے، اور اس کا سہارا لے کر اس موضوع پر بہت زیادہ کمزور بلکہ منکر و موضوع روایتیں تک نقل کر لی جاتی ہیں۔ حالانکہ اس اصول کے ساتھ محدثین کے یہاں چند ضروری قیود و شرائط ہیں۔ ان سطور میں انھی کا بیان کرنا مقصود ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ علماء اسلام نے شریعت کے اصول و قوانین مرتب کرنے اور حلال و حرام کا فیصلہ صادر کرنے کے لیے جس بلند معیار کی حدیثیں لی ہیں اور ان حدیثوں کی اسانید پر جتنی سخت نگرانی کی ہے ایسی سخت نگرانی ترغیب و ترہیب کی حدیثوں پر نہیں کی بلکہ اس قسم کی روایات میں ایک حد تک نرمی سے کام لیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل تساھلنا [۱]	ہم جب حلال و حرام کے سلسلہ میں کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اس میں سختی سے کام لیتے ہیں اور فضائل کے متعلق روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔

[۱] الاجوبۃ الفاضلۃ۔ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔ از مولانا عبدالحی لکھنوی ص ۳۶ (الطبعۃ السوریۃ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملا علی قاری نے الحظ الاوفر فی الحج الاکبر" میں کہا ہے

ان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال ؎۱

اعمال صالحہ کے فضائل کے سلسلہ میں حدیث ضعیف تمام علماء کاملین کے نزدیک معتبر ہے

اور "الموضوعات الکبیر" میں حدیث مسح الرقبتہ امان من الغل کے تحت لکھتے ہیں۔

الضعیف یُعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقاً ؎۲

فضائل اعمال کے بارہ میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے۔

علامہ محی الدین یحییٰ بن شرف النووی نے کتاب الاذکار میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قال العلماء من المحدثین و الفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلک فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذالک کما اذا ورد حدیث

تمام فقہا و محدثین وغیرہم نے کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے تاوقتیکہ وہ موضوع کے حکم میں شامل نہ ہو البتہ احکام کے بارے میں مثلاً حلال و حرام۔ خرید و فروخت اور نکاح وطلاق وغیرہ میں صرف حدیث صحیح یا حدیث حسن ہی لی جائے گی، ہاں بطور احتیاط اگر کہیں ضرورت پڑ جائے تو حدیث ضعیف پر بھی عمل کر سکتے ہیں۔

؎۱ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ از مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ ص۳۶ (طبعۃ السوریۃ)

؎۲ الموضوعات الکبیر ص۹۳ (مجتبائی دہلی ۱۳۴۶ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضعیف بکی احتمہ بعض البیوع او الانکحتہ فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن لا یجب [1]

مثلاً بیع و شرا یا نکاح کے بارے میں حدیث ضعیف میں کوئی ممانعت ہو تو اس ممنوع شئے سے پرہیز کرنا بطور احتیاط مستحب ہوگا لیکن اس کا ماننا واجب نہیں ہوگا۔

حافظ عراقی نے یہ اصول تقریباً انھی الفاظ میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

ومن نص علی ذلک من الائمتہ عبدالرحمن بن مھدی واحمد بن حنبل وعبد اللہ بن مبارک وغیرھم [2]

اور جن علمار نے یہ اصول بیان کیا ہے ان میں سے عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مبارک وغیرہم ہیں۔

اس ڈھیل کی وجہ علمار اسلام نے جو اس سلسلہ میں نرمی برتی ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

لانہ ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقہ من العمل والا لم یترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر [3]

اس لیے کہ اگر وہ حدیث واقعۃً صحیح ہو گی تو اس پر عمل کر کے اس کا حق ادا کر دیا گیا اور اگر بالفرض حقیقت کے لحاظ سے وہ صحیح نہ تھی تب بھی کوئی حلال یا حرام کا نقصان نہیں ہوا اور نہ کسی کا حق ہی مارا گیا ہے

یعنی بہت سے بہت یہی اندیشہ ہو سکتا ہے کہ واقعۃً وہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو ایسی صورت میں کبھی زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوا کہ ایک کام کو جتنا بہتر سمجھ کر کیا گیا تھا وہ اتنا بہتر نہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس سے دین و شریعت میں کوئی خرابی نہیں آتی اور اس کے

---

[1] کتاب الاذکار ص (مطبعۃ حجازی قاہرہ)

[2] الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۳۹ [3] ظفر الامانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برخلاف اگر واقعہ کے لحاظ سے وہ فرمان رسول تھا تو اجر و ثواب یقینی ہے۔ اس سلسلہ میں محقق جلال الدین دوانی نے انموذج العلوم میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اذا وجد حدیث ضعیف فی فضیلۃ عمل من الاعمال ولم یکن ھذا العمل مما یحتمل الحرمۃ اوالکراھۃ فانہ یجوز العمل بہ و یستحب لانہ مامون من الخطر ومرجو النفع اذھو دائر بین الاباحۃ والاستحباب فالاحتیاط العمل بہ رجاء الثواب[۵]

اعمال صالحہ میں سے جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث مل جائے اور یہ عمل ایسا نہ ہو جس میں حرمت یا کراہت کا احتمال ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے اس لیے کہ اس میں خطرہ تو کچھ ہے نہیں اور نفع کی امید پوری ہے کیونکہ معاملہ (حلال یا حرام کا نہیں بلکہ) جائز اور مستحب کا ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ثواب کی نیت سے اس پر عمل کر لیا جائے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ بالفرض حقیقت کے لحاظ سے یہ حدیث قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی ہوئی تو جائز کام ہوا اور اگر اس کے برخلاف اس کا فرمان رسول ہونا صحیح ہو تو اس کا حق ادا ہو ہی گیا یعنی اس کے مطابق عمل کر لیا گیا۔

اسی اصول کو اگر ہم از روئے عقل و مشاہدہ جانچ کر دیکھیں تو اس کی معقولیت بالکل واضح ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں کہیں تو ایک بچہ کا اطلاع دینا بھی کافی سمجھا جاتا ہے اور کہیں یقین کرنے کے لیے کسی بڑے اور سمجھدار آدمی کا ہونا ہی ضروری قرار دیا جاتا ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے عدالتی معاملات کو دیکھیے تو وہاں صرف ایک سمجھدار آدمی کا ہونا بھی کافی نہیں بلکہ وہاں گواہی دینے کے لیے کئی سمجھدار اور معقول آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب اگر ایک شخص اپنے شب و روز کے معمولی معمولی کاموں میں بھی وہی عدالتی معیار شہادت کو ضروری قرار دینے لگے تو نہ صرف یہ کہ اہل عقل کے نزدیک وہ دیوانہ قرار پائیگا

۵۔ الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۵، ظفر الامانی ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ خود اس کی اپنی زندگی دشوار ہو جائے گی۔

ٹھیک اسی طرح شرعی معاملات میں بھی مختلف درجات ہیں اور اسی لحاظ سے ہر درجے کے لیے ایک مخصوص معیار کی نصوص درکار ہیں۔ بس جس درجہ کا حکم شرعی ثابت کرنا ہوگا اسی درجہ کی نص تلاش کی جائے گی۔ اگر کوئی متشدد و غالی ہر معاملہ میں حکم قرآنی یا حدیث متواتر یا حدیث صحیح ہی تلاش کریگا۔ اور حدیث ضعیف کو بالکل ناقابل اعتبار قرار دے گا تو علمائے اسلام کے یہاں ایسا آدمی خارق اجماع اور خبطی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے حدیث ضعیف کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے متعلق تین مذہب نقل کیے ہیں اور سوائے مذکورہ بالا مذہب کے باقی دو کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے لکھتے ہیں:-

(۱) فمنهم من منع العمل بالضعيف مطلقا وهو مذهب ضعيف۔

(۱) کچھ لوگ تو وہ ہیں جو حدیث ضعیف پر عمل کرنے کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔ یہ مذہب ضعیف ہے۔

(۲) ومنهم من جوزه مطلقا وهم توسع سخيف۔

(۲) اور کچھ لوگ اس کی عام اجازت دیتے ہیں۔ اور یہ غیر دانشمندانہ توسع اور ڈھیل ہے۔

(۳) ومنهم من فصّل وقيّد وهو المسلك المسدّد[۱]

(۳) اور ایک مسلک یہ ہے کہ اس میں کچھ فرق کیا جائے اور حدود متعین کی جائیں۔ یہ رائے سب سے صحیح اور حق ہے

اس تیسرے مسلک میں جو حدود متعین کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا کہ حلال و حرام اور معاملات وغیرہ میں حدیث ضعیف ناکافی اور فضائل اعمال

---

[۱] الاجوبۃ الفاضلۃ ص۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مقبول ہے۔

حدیث ضعیف کے قبول کرنے کی چند ضروری شرطیں

حدیث ضعیف کے ردو قبول پر جب بحث کی جائے تو سب سے زیادہ اہم اور قابلِ لحاظ یہ چیز ہے کہ اہلِ علم نے جہاں حدیث ضعیف کو قبول کیا ہے وہاں کن شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، ورنہ اس کے بغیر اہلِ علم کی طرف سے یہ نقل کرنا ان کے مسلک کی ادھوری اور ناقص ترجمانی ہوگی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں اور علامہ سخاوی نے القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ:

(۱) احدها فقدان دلیل آخر قوی منه معارض له، فان دل حدیث صحیح او حسن علی کراهة عمل او حرمته والضعیف علی استحبابه وجوازه فالعمل یکون بالاقوی والقول بمفاده اخری

(۱) اس کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ کیونکہ اگر کسی حدیثِ صحیح یا حدیثِ حسن سے ایک عمل کی کراہت ثابت ہو رہی ہو اور حدیثِ ضعیف اسے مستحب قرار دے تو ایسی صورت میں عمل قوی دلیل پر ہی کیا جائے گا اور اسی کے مقتضیٰ کو مقدم رکھا جائے گا۔

(۲) وثانیها ان لایکون الحدیث شدید الضعف بان تفرد براویته شدید الضعف کالکذاب او فاحش الغلط والمغفل وغیر ذلك او کثرت طرقه لکن لم یخل طریق من طرقه عن شدة الضعف وذلك لان تکون السند شدید الضعف مع عدم ما یجبره

(۲) اس حدیث کا ضعف زیادہ شدید نہ ہو جیسے مثال کے طور پر کوئی حدیث ایک ہی سند سے منقول ہے اور اس میں کوئی راوی ایسا ہے جو بہت ضعیف ہے مثلاً کذّاب ہونا، فاحش الغلط ہونا یا مغفل ہونا وغیرہ یا یہ کہ حدیث کی سندیں تو کئی ہیں۔ لیکن کوئی بھی سند شدید ضعف سے محفوظ نہیں ہے۔ ایسی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصانه يجعله في حكم العدم ويقربه الى الموضوع والمخترع الذي لا يجوز العمل به بحال.

میں اس حدیث کے غیر معتبر ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ کسی سند کا شدید ضعیف ہونا جبکہ اس کی اس کمی کی تلافی بھی کسی اور ذریعے سے نہ ہو رہی ہو اس کو کالعدم بنا دیتا ہے، اور موضوع و من گھڑت حدیث کے قریب پہنچا دیتا ہے جس پر کسی طرح بھی عمل کرنا جائز نہیں ہے

(۳) والثالث ان يكون ما ثبت به داخلا تحت اصل كلي من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية لئلا يلزم اثبات ما لم يثبت شرعاً به فانه اذا كان ما دل عليه داخلا في الاصول الشرعية غير مناقض لها فنفس جوازه ثابت بها والحديث الضعيف الدال يكون مؤكدا له

(۳) حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ جو مضمون اس سے ثابت ہوتا ہے وہ شریعت کے عام قواعد کے خلاف نہ ہو بلکہ ان کے تحت آتا ہو تاکہ جو چیز شرعاً غیر ثابت ہے اس کا اثبات لازم نہ آئے، پس جب اس حدیث کا مضمون عام قواعد شرعیہ کے منافی نہ ہو بلکہ انھی کے تحت آتا ہو تو (گویا) نفس جواز تو اس کا پہلے سے ثابت ہے ہی۔ حدیث ضعیف نے صرف اتنا کیا کہ اس کے جواز ہی میں ذرا تاکّد و اہتمام پیدا کر دیا۔

(۴) والرابع ان لا يعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين وانه ان كان صحيحا في نفس الامر فذاك والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي

(۴) اور چوتھی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے والا اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے بلکہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر ایک یقینی کیفیت پر پہنچنے کی نیت ہو۔ یعنی یہ کہ اگر حقیقت[1] میں اس حدیث کا مضمون صحیح ہوا تو عمل کر ہی لیا گیا ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو کوئی شرعی برائی پیش نہیں آئی (اور اس کے برخلاف عمل نہ کرنے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ ہو سکتا ہے حقیقت کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہو تو ہم ایک حکم شرعی کے تارک ہوں گے)

---

[1] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے نفس الامر اور حقیقت کے لحاظ سے تو وہ تمام کا تمام

بقیہ اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مفصل شرائط سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیثِ ضعیف میں جب تک یہ تمام باتیں ملحوظ نہ ہوں اس وقت تک اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مطلق یہ کہہ دینا کہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے صحیح نہیں۔ تا وقتیکہ اس میں یہ شرطیں نہ دیکھ لی جائیں۔

حافظ زکی الدین المنذری پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

رہا یہ اعتراض کہ پھر حافظ منذری نے اپنی کتاب میں ایسی روایات شامل کیوں کرلیں جو ان شرائط پر پوری نہیں اترتیں؟ تو اس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ وہ خود اس بات کو مقدمہ میں واضح کرچکے ہیں کہ جو حدیثیں میں نے لفظ "رُوِیَ" سے شروع کی ہیں وہ تمام ایسی روایات ہیں جن کے کسی نہ کسی راوی کے متعلق محدثین نے "کذاب" یا "وضاع" وغیرہ الفاظ کہے ہیں۔ اور گذشتہ سطور میں آپ

بقیہ صفحہ گذشتہ [۷۱]: برابر درجہ کی اہمیت رکھتا ہے اس میں صحیح اور ضعیف کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن جن واسطوں سے وہ نفس الامری اور حقیقی ارشادات ہم تک پہنچے ہیں ان میں چونکہ فرق ہے اس لیے ان ارشادات میں بھی درجات کا فرق ہوگیا ہے۔ ہمارے پاس چونکہ سوائے سند کے کوئی اور ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ جان سکیں کہ یہ بات آپ نے فرمائی ہے یا نہیں اس لیے ہم اسی بات کے مکلف اور اسی کے لیے مجبور ہیں کہ جس درجہ کی سند سے کوئی بات ہم تک پہنچے اس بات کا وہی درجہ قرار دیں خواہ نفس الامر کے لحاظ سے اس میں اور ایک حدیث متواتر میں کوئی فرق نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے نورِ باطن سے بعض دفعہ کسی ضعیف حدیث کی صحت و واقعیت کا حکم صادر کردیتے ہیں مگر محدثین اس کو اپنے قواعد کے تحت ضعیف ہی قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر حافظ زکی الدین المنذری نے اپنی کتاب الترغیب والترہیب میں حدیث ازھد فی الدنیا یحبک اللہ الخ کے متعلق لکھا ہے:۔ لکن علی ھذا الحدیث لامعۃ من انوار النبوۃ (ج ۴ ص ۱۶۰) یعنی اگرچہ اس کا فلاں راوی ضعیف ہے۔ لیکن اس پر انوارِ نبوت کی جھلک محسوس ہورہی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ حکمِ شرعی اسانید کے باضابطہ قواعد ہی کے تحت ثابت ہوسکتا ہے اور بس۔ احکامِ شرعیہ کے لیے حدیثوں کی پرکھ کا کوئی اور ذریعہ معتبر نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ معلوم کر چکے ہیں کہ جس حدیث کے کسی راوی کے متعلق ایسے الفاظ کہے جائیں وہ ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اور مصنف نے ایسی روایات کو عام حدیثوں سے الگ ایک امتیازی نشان کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہٰذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ اب کسی شخص کا الترغیب سے اس امتیاز کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی حدیث نقل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ وہ الترغیب کا حوالہ دے کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حال کے بہت سے مولفین و واعظین کا طریقہ ہے، فاضل محترم الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ حلبی نے ایسے ہی لوگوں پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ومن المؤسف جداً ان اغلب الوعاظ والخطباء المذكرين والمدرسين اذ يقرؤن كتاب الترغيب والترهيب هذا او ينقلون عنه ينسون او يغفلون عن اصطلاح مؤلفه فيه فيوردون الحديث الذي في سنده كذاب او وضاع او متهم بكل جزم وارتياح والمئنان كجزمهم بالحديث الذي يقول الامام المنذري فيه "رواه البخاري ومسلم"، سواء بسواء[1]	سخت افسوس ہے کہ اکثر واعظین، خطباء اور مدرسین جب اس کتاب الترغیب والترہیب کو پڑھتے ہیں یا اس سے نقل کرتے ہیں تو اس کے مصنف کی اصطلاح کو یا تو بھول جاتے ہیں یا غفلت برتتے ہیں اور جن احادیث میں کوئی راوی کذاب یا وضاع یا متہم ہے ان کو بھی بالکل اسی طرح پورے اطمینان اور کامل یقین و اعتماد کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس طرح ان روایات کو نقل کرتے ہیں جن کے متعلق منذری نے "رواہ البخاری ومسلم" کہا ہے۔

اور فاضل موصوف نے بھی مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے وہی کہا ہے جو ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں۔ فرماتے ہیں:

والامام المنذري رحمه الله تعالى سالم من التبعة اذ صرح باصطلاحه في فاتحة	امام منذری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس ذمہ داری سے بالکل بری ہیں کیونکہ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں

---

[1] التعليقات الحافلة على الاجوبة الفاضلة ص ۱۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كتاب ليكون القارى منه على بصيرة ولكن اولئك الذين اشرت اليهم لم تفدهم تصريحات المنذرى دتفرقته بين الحديث الصحيح والضعيف فساقوا جميع ما فيه مساقاً واحداً [1]

اپنی اصطلاح معافیٰ سے بیان کر چکے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا اسے بالبصیرت دیکھے لیکن میں نے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ان کے حق میں منذری کا بیان اور ان کا صحیح وضعیف حدیثوں میں امتیاز کرنا سب بے نتیجہ رہا اور انھوں نے کتاب کی تمام روایات کو ایک ہی درجہ دے ڈالا۔

دوسرے اس طرح کی (بہت ضعیف) روایات کو محض ذکر کر دینے کی تو اور بھی بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ :۔

(۱) فن حدیث کا مشہور اصول ہے کہ "الضعیف یشد بعضہ بعضاً" (ایک ضعیف حدیث سے دوسری ضعیف حدیث کو قوت ملتی ہے) اس غرض سے بہت ضعیف حدیث۔ اس کی شدتِ ضعف کی تصریح کر کے۔ بیان کر دی جاتی ہے تاکہ اس کے ہم معنی اور بھی چند حدیثیں خواہ کمزور درجہ ہی کی سہی اگر مل جائیں تو فی الجملہ تقویت حاصل ہو جائے گی اور اس وقت میں اس کا ہونا بھی مفید ہوگا۔

(۲) امام ابوعبداللہ الحاکم نے "المدخل فی اصول الحدیث" میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ "جرح و تعدیل میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ممکن ہے ایک امام ایک راوی کو مجروح سمجھے اور دوسرا امام اسی راوی کو عادل قرار دے۔ اسی طرح "ارسال" مختلف فیہ[2] ہے۔ ایک کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے دوسرے کے نزدیک ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

(۳) ایک عام طبعی اصول ہے "الاشیاء تعرف باضدادها" یعنی چیزیں اپنے مقابل چیز ہی کے ذریعہ صحیح طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لیے محدثین صحیح حدیثوں کی جانچ پڑتال میں مدد لینے کی غرض

---

[1] التعلیقات الحافلة ص۱۲ [2] ماخوذ از مضمون محترم مولانا عبدالرشید نعمانی۔ ماہنامہ برہان فروری ۱۹۴۹ء ص۳۴۔ گویا لکھنے والے اس لیے لکھ دیتے ہیں کہ جس کا جو مسلک ہو اس کے مطابق عمل کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھی ضعیف اور شدید ضعیف بلکہ منکر و موضوع روایات تک نقل کر لیتے تھے چنانچہ مشہور امام حدیث حافظ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ:-

لو لم نکتب الحدیث من ثلاثین وجھا ما عقلناہ	اگر ہم حدیث کو تیس طریقے سے نہ لکھیں تو ہم اس کو جان نہ سکیں۔

امام احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین کو صحیفۂ معمر کی نقل میں مشغول دیکھا تو پوچھا کہ اس امر کے جاننے کے باوجود کہ یہ صحیفۂ "معمر عن ابان عن انس" سراسر جعلی ہے پھر بھی آپ اس کو نقل کر رہے ہیں جبکہ آپ ابان پر کلام بھی کرتے ہیں؟ جواب دیا "اس لیے کہ پہلے میں اس تمام کو از اوّل تا آخر حفظ کروں گا اور جب کوئی شخص آکر "ابان" کو بدل کر "ثابت" کا نام لے گا اور روایت کرنے لگے گا کہ ... "عن معمر عن ثابت عن انس" اس وقت میں اس سے کہوں گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اس روایت کا سلسلۂ سند "معمر عن انس" ہے نہ کہ معمر عن ثابت عن انس"

انھی امام ابن معین کا یہ بھی مقولہ ہے کہ:-

کتبنا عن الکذابین وسجرنا بہ التنور واخرجنا بہ خبزا نضیجا [1]	ہم نے جھوٹوں سے روایتیں لکھیں اور ان سے تنور کو گرم کیا اور پکی پکائی روٹی نکالی۔

(۴) بعض علمائے تفسیر نے اپنی کتابوں میں جو اسرائیلی روایات لکھ دی ہیں ان کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر نے ایک اہم بات لکھی ہے اپنی تفسیر میں ایک جگہ فرماتے ہیں:-

وقد روی فی ھذا آثار کثیرۃ عن السلف وغالبھا من الاسرائیلیات التی تنقل لینظر فیھا۔ [2]	اس کے متعلق سلف سے بہت سی روایات منقول ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلیات ہیں جو صرف اس غرض سے نقل کی جاتی ہیں تاکہ ان میں غور و خوض کر لیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام ایک محدث کی محض فنی مصالح ہیں جن کے تحت وہ شدید ضعیف روایات

---

[1] ماہنامہ برہان۔ فروری ۱۹۴۲ء ص ۳۵ و ص ۳۶

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۵، تفسیر سورۃ الکہف، آیت۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا الخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بھی اپنے سینے اور سفینے میں جگہ دیدیتا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس کے لیے وہی تمام شرائط ملحوظ رکھنا پڑیں گے جو اہل علم کے یہاں مسلّم ہیں جن میں کسی بھی محدث کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ایک اور خطرناک غلطی پر تنبیہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ایک اور خطرناک غلطی پر تنبیہ کردی جائے جس کا اسی موضوع سے تعلق ہے۔ جن لوگوں نے فضائل کے سلسلے میں مذکورہ بالا تصریحات کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ضعیف حدیثوں سے بڑھ کر بہت زیادہ کمزور اور منکر روایات تک سے استدلال کیا تو وہ پھر نادانستہ ایک غلطی کا شکار ہوئے۔ لیکن سخت افسوس اور حیرت تو ان لوگوں پر ہے جنھوں نے دیدہ و دانستہ منکر و موضوع روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ اپنے اس فعل کو انھوں نے جائز و مستحسن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے علماء اہل سنت میں سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ جس نے لکھا ہے وہ مشہور واعظ و مفسر شیخ اسماعیل حقیؒ (المتوفی ۱۱۳۷ھ) ہیں[1] انھوں نے اپنی تفسیر روح البیان میں سورۃ التوبہ کے آخیر میں لکھا ہے کہ "صاحب کشاف اور ان کے اتباع میں قاضی بیضاوی اور شیخ ابو السعود اور دیگر مفسرین نے جو حدیثیں اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں ان کے متعلق امام صغانی اور دوسرے بہت سے علماء نے گفت و شنید کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر وہ روایات ضعیف ہیں تو علماء حدیث نے فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث کو قبول کیا ہے اور اگر وہ موضوع ہوں تب بھی ان سے شریعت کے بنیادی احکام کا ضیاع و فساد تو ہے نہیں بلکہ :۔

انه للحث علی اتباع شریعته واقتفاء اثره فی طریقته	وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی کے

---

[1] یہ مسلک جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کرامیہ اور بعض صوفیہ کا بھی رہا ہے لیکن ہم نے شیخ اسماعیل حقی کے کلام پر اہمیت کے ساتھ تبصرہ کرنے کی ضرورت اس لیے سمجھی کہ علماء اہل سنت میں ہماری معلومات میں ان کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر مصنف اس باطل مسلک کا حامی نہیں ہے اور ان کی تفسیر چونکہ واعظوں کی دلچسپی کا خاص مرکز ہے اس لیے اس کے نتائج بھی دور رس ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتباع پر آمادہ کرنے اور آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلنے کا شوق دلانے کے لیے ہیں

اس کے بعد شیخ اسماعیل حقی نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا قول نقل کیا ہے کہ:

الکلام[1] وسیلۃ الی المقاصد فکل مقصود محمود یمکن التوصل الیہ بالصدق والکذب جمیعا فالکذب فیہ حرام فان امکن التوصل الیہ بالکذب دون الصدق فالکذب فیہ مباح ان کان تحصیل ذلک المقصود مباحاً وواجب ان کان ذلک المقصود واجبا فھذا ضابطۃ[2]

(تفسیر روح البیان آخر سورۃ التوبۃ)

کلام اور گفتگو کی حیثیت صرف ایک ذریعہ اور واسطے کی ہے اصل چیز مقصد ہے پس جس اچھے مقصود تک رسائی سچ اور جھوٹ دونوں کے ذریعہ ہو سکتی ہو وہاں تو جھوٹ کا اختیار کرنا حرام ہے اور جس مقصود تک رسائی صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس مقصود کا حاصل کرنا مباح ہے تو اس میں جھوٹ بولنا مباح اور اگر اس مقصود کا حاصل کرنا واجب ہے تو اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے پس یہ عام قاعدہ ہے۔

راقم سطور کہتا ہے کہ علمائے اسلام نے باتفاق رائے سب سے بڑا کبیرہ گناہ اسی کو قرار دیا ہے کہ کوئی شخص صادق و مصدوق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصداً کوئی ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی[3]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ کبائر میں سے کوئی کبیرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے مرتکب کو کسی نے کافر کہا ہو مگر اس کبیرہ کے مرتکب کو بعض علماء اسلام نے کافر تک کہا ہے[4]

امام غزالی لکھتے ہیں کہ:

---

[1] اور بالکل یہی الفاظ ان سے قبل امام غزالیؒ لکھ چکے ہیں (احیاء العلوم ج ۳ ص۱۱۹) عزالدین بن عبدالسلام نے یہ مضمون غزالی ہی سے لیا ہے۔ [2] روح البیان ج ۳ ص۵۴۸ (مطبوعہ استنبول ۱۳۳۰ھ) [3] شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۸ [4] الموضوعات الکبیر ص۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الکذب علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر التی لا یقاومھا شیٔ سلہ — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ کوئی دوسرا گناہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

اب آپ غور کیجیے کہ کیا اس تصویر سے زیادہ خطرناک اور گمراہ کن کوئی اور تصور ہو سکتا ہے جس کی رُو سے یہ اتنا بڑا کبیرہ جائز بلکہ مستحسن بلکہ واجب تک پہنچ جائے؟۔ نعوذ باللہ منہ۔ تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم۔

خدائے غنی وکریم کا دین اور اس کے نبی امین کی لائی ہوئی شریعت اس بات سے بالکل بے نیاز اور اس سے بہت بلند ہے کہ دجل و فریب کے ذریعہ اس کی خوبیاں دلوں میں بٹھائی جائیں مشک اپنی خوبی کے تسلیم کرانے میں کسی عطار کی ..... جھوٹی تعریفوں کا محتاج نہیں ہے ؎

زعشق ناتمام ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اور وضع حدیث کے لیے یہ تقسیم کہ اتباع شریعت پر ابھارنے کے لیے ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔ یہ بھی عقلاً و نقلاً ہر طرح بے بنیاد، غلط اور علماء اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔ یہ دراصل دورِ قدیم کے فرقہ کرامیہ کے مسلک کی صدائے بازگشت ہے اور یہی خیال بعض بے علم صوفیا بھی ظاہر کر چکے ہیں سلہ ان لوگوں کے نزدیک ترغیب و ترہیب کے لیے حدیثیں گھڑنا جائز تھا۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں اسی مسلک پر تفصیل سے بڑی سخت تنقید کی ہے۔

سلہ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۱

سلہ علامہ نووی لکھتے ہیں وتابعھم علی ھذا کثیرون من الجھلۃ الذین ینسبون انفسھم الی الزھد (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۸، اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں وقد ینسب الی بعض المتصوفۃ ایضاً (لمعات ج ۱ ص ۲۵۳ طبع اول لاہور ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نووی نے کرامیہ کی ایک دلیل کے متعلق (جو شیخ اسماعیل حقیؒ نے بھی بعض واعظوں کے حوالے سے نقل کی ہے) لکھا ہے:

ومن اعجب الاشیاء قولهم "هذا کذب له" وهذا اجهل منهم بلسان العرب وخطاب الشرع فان کل ذلک عندهم کذب علیه[1]

اور عجائبات میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ یہ تو کذب للرسول (آپ کے حق میں کذب) ہے نہ کہ کذب علی الرسول (آپ پر کذب) حالانکہ یہ کلام عرب اور شریعت کے انداز تخاطب سے ناواقفیت کی دلیل ہے اس لیے کہ یہ سب کا سب محاورۂ عرب اور اصطلاح شرع میں کذب علی الرسول ہی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ زکریا کے حوالے سے لکھا ہے:

لیس للفظ علی مفهوم لانه لا یتصور ان یکذب له اذ هو منهی عنه مطلقا۔ ونقل الابهری عن الکرمانی: کذب علیه نسب الکلام الیه کاذبا سواء کان علیه او له۔ (لمعات ج ۱ ص۲۵۳)

یہاں لفظ علی کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ کذب للرسول کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کذب تو علی الاطلاق ممنوع ہے اور ابہری نے علامہ کرمانی سے نقل کیا ہے کہ لفظ کذب علیہ کا مطلب ہوتا ہے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی خواہ وہ کذب علیہ ہو یا کذب لہ۔

ان لوگوں نے اپنے اس استدلال کی بنیاد لفظ علی پر رکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ استدلال محاورۂ عرب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا بلکہ ایک زبردستی کی کھینچ تان ہے۔ تاہم اب وہ روایتیں ایسی نقل کی جاتی ہیں جن میں سرے سے لفظ علی کا وجود ہی نہیں ہے بلکہ مطلق کذب کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۱) من حدث عنی حدیثا یری انه کذب ... جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان

---

[1] شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فھما حوالکاذبین۔ (رواہ مسلم والترمذی وصححہ عن المغیرہ بن شعبۃ) ؎۱

کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

(۲) والذی نفس ابی القاسم بیدہ لا یروی عنی احد مالم اقلہ الا تبوأ مقعدہ من النار (رواہ الدارقطنی فی الافراد عن انس رضی اللہ عنہ) ؎۲

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جو کبھی شخص میری طرف سے کوئی ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے

ان حدیثوں کے الفاظ بالکل عام ہیں ان کی رو سے جس مقصد کے لیے بھی وضع حدیث کا ارتکاب کیا جائے گا وہی ناجائز اور حرام قرار پائے گا اس لیے کہ کذب وہ بہر حال ہے مقصد خواہ اس کا کچھ بھی ہو۔

اور علامہ نووی نے شرح مسلم میں واضح طور پر لکھا ہے کہ موضوع کا جان بوجھکر نقل کرنا حرام ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

لا فرق فی تحریم الکذب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بین ما کان فی الاحکام ومالا حکم فیہ کالترغیب والترھیب والوعظ وغیر ذلک من انواع الکلام فکلہ حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بھم فی الاجماع

حدیث و شریعت میں کذب مطلقاً حرام ہے بغیر اس فرق کے کہ وہ احکام کا معاملہ ہے یا ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کا موضوع ہے۔ حدیث میں جھوٹ بولنا حرام اور سخت درجہ کا کبیرہ گناہ اور نہایت قبیح قسم کی بد عملی ہے اور ان تمام اہلِ اسلام کا اجماعی فیصلہ ہے جن کا اجماع معتبر ہے۔

؎۱ الموضوعات الکبیر ص ؎۲ ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں :-

وقد اجمع اھل الحل والعقد علی تحریم الکذب علی آحاد الناس فکیف بمن قوله شرع وکلامه وحی والکذب علیه کذب علی الله تعالیٰ[1]

اور ارباب حل وعقد کا اجماعی فیصلہ ہے کہ جھوٹ بولنا عام لوگوں کے بارے میں بھی حرام ہے چہ جائیکہ اس ذاتِ گرامی کے بارے میں جس کا کلام شریعت و وحی ہے اور جس کے متعلق جھوٹ بولنا در حقیقت خدائے تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے۔

یہ علمائے اسلام کا وہ صاف و صریح فیصلہ ہے جس پر ہمیشہ سے اہلِ علم کا عمل رہا ہے اب جو کوئی اس کے خلاف کوئی رائے پیش کرے وہ ہرگز قابلِ التفات نہیں اور اگر اس طرح کی تھوڑی بھی گنجائش اہلِ علم نے دی ہوتی تو آج پورے ذخیرہ حدیث سے اطمینان اٹھ چکا ہوتا اس لیے کہ ہر حدیث کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ بھی شاید اسی قسم کی ہو۔ اور بقول امام غزالیؒ پوری شریعت مشکوک ہو کر رہ جاتی[2]

اور یہاں شیخ عز الدین بن عبد السلام کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اس موقع کے لیے قطعاً نہیں ہے بلکہ جھوٹ بولنے کی یہ گنجائش علما محققین نے ایسے موقع پر دی ہے جبکہ کسی کا کوئی حق مارا جارہا ہو یا دو بھائیوں میں جھگڑا ہو یا میاں بیوی میں نااتفاقی ہو اور جھوٹ بولے بغیر حق کی ادائیگی اور باہمی صلح و صفائی نہ ہو سکتی ہو چنانچہ امام غزالیؒ نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے :-

مثل ان یاخذ ه ظالم ویسأله عن ماله فله ان ینکره او یسأله السلطان عن

اس کی مثال یوں سمجھو کہ کسی ظالم نے ایک شخص سے پوچھا کہ بتا تیرے پاس کتنا مال ہے۔ اور

---

[1] شرح مسلم للنووی ج ۱ ص۸ و عنہ علی القاری فی الموضوعات الکبیر ص۹

[2] احیاء علوم الدین للغزالی ج ۳ ص۱۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاحشۃ بینہ وبین اللہ تعالیٰ ارتکبہا
فلہ ان ینکرہا یقول ما زنیت او ما
شربت مثلاً وان یُسئل عن
سرّ اخیہ فینکرہ ونحو ذلک ؎۱

اس کا مقصد یہ ہے کہ جبراً اس سے چھینے
تو اس وقت اس شخص کو یہ کہنے کی گنجائش
ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے یا یہ کہ حاکم وقت
نے ایک شخص کی کسی ایسی بدفعلی کے متعلق سوال
کیا جو اس کے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہو (یعنی کسی انسان کو اس کا علم نہیں ہے)
تو یہ شخص انکار کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے زنا نہیں کیا یا میں نے
شراب نہیں پی۔ یا اس سے اس کے مسلمان بھائی کا راز پوچھا جا رہا ہے تب
بھی یہ انکار کر سکتا ہے۔

اور ایسے موقع کے متعلق بھی علامہ نووی نے لکھا ہے کہ:۔

والاحتیاط فی ھذا کلہ
ان یورّی ومعنی التوریۃ
ان یقصد بعبارتہ مقصوداً
صحیحا لیس ھو کاذبا بالنسبۃ
الیہ وان کان کاذبا فی ظاہر
اللفظ وبالنسبۃ الی ما یفھم
المخاطب ؎۲

احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کیا جائے۔
اور توریہ اس کو کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ
میں گفتگو کی جائے کہ بولنے والے کے اپنے
خیال کے لحاظ سے اس کی مراد صحیح ہو۔ اگرچہ
ظاہر میں اور سننے والے کے خیال کی
رو سے وہ صحیح نہ ہو۔

؎۱ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۰ ونقل عنہ النووی فی الاذکار ص ۳۲۸

؎۲ ریاض الصالحین ص ۵۹۶ (مطبعۃ عیسی البابی الحلبی مصر) وکتاب الاذکار ص ۳۲۷
(مطبعۃ حجازی قاہرۃ)

© rasailojaraid.com